Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

# انتظار حسین کا افسانہ "آخری آدمی" اور وجودی شناخت کا مسئلہ

# INTAZAR HUSSAIN'S SHORT STORY"AKHRI ADAMI" AND EXISTENTIAL IDENTITY CRISES

**ڈاکٹر مجاہد عباس**
اردو لیکچرر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد
**ڈاکٹر سید عون ساجد**
اسسٹنٹ پروفیسر، وفاقی اردو یونیورسٹی، اسلام آباد

**Abstract**
*Intazar Hussain is the most celebrated fiction writer in Urdu Literature. His writings are mainly concerned with the human values and their crises, civilizations and their downfalls and traditions and their meanings in life. He remained unique because of his symbolic style in his writings.This research is conducted to explore the existential idenitity crises in his short story"Akhri Adami" through the lens of existentialism. Intazar Hussain has artistically clairify the idea that humans are same as animal without recognizing the values of existential identity.*
Key Words: Fiction, Short Story, Intazar Hussain, Existential Identity, Akhri Admi

"آخری آدمی" انتظار حسین کے نمائندہ افسانوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس افسانے کا اسلوب سب سے جدا، کردار سب سے انوکھے، پلاٹ چست اور کہانی بہت ہی دلچسپ ہے۔ انتظار حسین کے فن کے حوالے سے افسانوی ادب کا قاری اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ وہ ماضی کے دفینوں سے قیمتی خزینوں کے جواہر تلاش کرنے میں یکتا نظر آتے ہیں۔ ان کی کہانی کا موضوع، پلاٹ، اُسلوب، اور کردار انتہائی تخصیص کے ساتھ مرتب ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں موضوعات میں یادِ ماضی، بچپن، تہذیب و تمدن، روایات، رسوم، ہجرت، اقدار اور معاشرت تواتر کے ساتھ آئے ہیں تاہم ارتقائے انسانی اور نئی تہذیب کے تانے بانے بھی ان کی نظر میں برابر جگہ پاتے رہے۔

انتظار حسین کی بعض کہانیوں کی فضا میں پُر اسرار ہوتی ہے۔ ان کے اسلوب میں علاقیت بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ علامتیں تاریخ، تہذیب، ثقافت، روایات، اساطیر سے ایسی روشنی پاکر وضع ہوتی ہیں جس سے ان علامتوں کی نسبت اپنایت کا احساس جنم لیتا ہے۔ انتظار حسین نے اپنے فن سے ان علامتوں پر سے وقت کی دھول اس انداز سے ہٹائی ہے کہ نہ صرف ان سے ہم آشنا ہوتے ہیں بلکہ ان علامتوں سے ہماری مانوسیت بھی بڑھ جاتی ہے۔

کرداروں کی تخلیق میں انتظار حسین کا کمال یہ ہے کہ جو کردار انہوں نے تخلیق کیے ہیں وہ اپنی علامتی، حقیقی، مثالی، اساطیری اور رومانوی فطرت بیک وقت ساتھ لیے کہانی کی تکمیل کرتے ہیں۔ جہاں انہیں علامتی اظہار مطلوب ہو، یا ایک لفظ جسے وہ علامت بنانا چاہیں اسے بار بار استفہامیہ انداز میں مکالماتی فضا میں پیش کرتے چلے جاتے ہیں اور وہ لفظ کئی معنوی جہتوں میں پھیلتا چلا جاتا ہے۔ جہاں حقیقت کا اظہار کرنا ہو وہاں سود و زیاں کے مباحث سے اپنا مدعا حاصل کر لیتے ہیں۔ جہاں مثالی اور اساطیری انداز درکار ہو وہاں کہانی کی فضا کو پُر اسرار کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ افسانہ "آخری آدمی" میں کیا گیا ہے۔ یہ فن کا ایک نیا انداز ہے۔ رات کا اندھیرا، گھنے درختوں کی کالونس، ہوا کی سرسراہٹ، رہٹ کی روں روں، دور گھنے درخت پر لہراتا اور گھلتا سایہ، قدموں کی چاپ، دُور آگ کا الاؤ۔۔۔ وغیرہ وغیرہ سے کہانی کی فضا کو پُر اسرار بناتے ہیں جس سے تجسس جنم لیتا ہے اور یہی تجسس ہی قاری کو ان کی کہانیوں کے ساتھ چمٹائے رکھتا ہے۔

انتظار حسین منظر کشی کے دوران جزئیات کو ایسے پیش کرتے ہیں کہ منظر نکھر کر قاری کے سامنے آجاتا ہے۔ انتظار حسین کی کہانی میں کرداروں کی رومانویت کے دو ماخذات نہایت اہم ہیں۔ ایک قدرتی مناظر سے کرداروں کا انسلاک اور دوسرا ان کرداروں کی ذہنی اور داخلی خود کلامی جسے مصنف کہیں بیانیہ میں اور کہیں خیال کی عمیق وسعتوں میں دکھانے کی مہارت رکھتے ہیں۔

انتظار حسین کی کہانیوں میں ایک حرکی نظریہ کار فرما نظر آتا ہے۔ کیونکہ جہاں بھی وہ بادل، آگ، دھواں، پرندہ۔ سایہ، آواز، گھڑی، وقت، پانی، ندی، دریا، سمندر، کیفیت، پتنگ، سانس اور حتیٰ کہ تمام رنگوں کے نام یا ان کے تلازمات لاتے ہیں وہاں زبان دانی کا ایسا جادو جگاتے ہیں جس سے افسانے کی فضا جامد نہیں رہتی اور نہ معلق بلکہ مسلسل حرکی نظام کے تحت ایک تجسس پیدا کرتی چلی جاتی ہے۔

اس قدر مفصل تمہید و تعارف کا مقصد یہ بتانا ہے کہ "آخری آدمی" انتظار حسین کا ایسا افسانہ ہے جہاں ان کے فن کی یہ ساری خوبیاں مجتمع صورت میں نظر آتی ہیں اور فکری اعتبار سے یہ کہانی ایک بڑی جست لیکر ان کے نمائندہ افسانوں میں شامل ہو جاتی ہے۔ اس افسانے کے موضوع کی خاص بات انسانی وجود کی تلاش اور شناخت ہے۔ اس افسانے میں اسلوب اساطیری و تمثیلی ہے۔ علائم و رموز کی بھی ایک گہری دھند افسانے کی فضا کا حصہ ہے۔ کردار یوں نمایاں ہیں کہ گویا ہمارے سامنے کے جیتے جاگتے چلتے پھرتے بلکہ کہنا چاہیے کہ خود کو تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ افسانے میں وجودی شناخت کے مسئلے پر بات کرنے سے قبل افسانے کا مختصر خلاصہ ذہن میں ہونا ضروری ہے۔

سمندر کے کنارے پر واقعی ایک بستی کے کرداروں کو ایک پریشانی نے آلیا ہے کہ ان کی شکلیں بگڑ جاتی ہیں اور وہ سب کے سب بندر بنتے چلے جاتے ہیں۔ اس کہانی کا مرکزی کردار الیاسف قسم کھاتا ہے کہ وہ ہر صورت خود کو بندر بننے سے بچائے گا۔ تاہم وہ دن رات اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھتا ہے کہ اس کے جاننے والے سب کے سب بندر بنتے چلے جا رہے ہیں۔ سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ سبت کے دن مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ سب سے پہلے الیعذر بندر بن جاتا ہے کیونکہ اس نے سب سے زیادہ مچھلیاں پکڑلی تھیں۔ پھر جب ایک نے دوسرے کو الیعذر کے بندر بننے کی خبر دی تو وہ سننے والا ہنسا اور ہنستے چلا گیا اور یوں وہ عالمِ حیرت میں بندر بن گیا۔

اگلے دو کردار الیاب اور ابنِ زبلون ہیں جو بندر بنے۔ الیاب نے ابن زبلون کو اس کا چہرہ بگڑنے کی نشاندہی کی تو ابنِ زبلون غصہ ہوا۔ غصے سے وہ لال پیلا ہو گیا اور الیاب پر خوف طاری ہو گیا۔ غصے اور خوف کے عالم میں وہ دونوں لڑنے لگے اور یوں بندر بن گئے۔

الیاسف نے سب بستی والوں کو ساتھ لیا اور اس شخص کی تلاش کرنے لگے جس نے انہیں سبت کے دن مچھلیاں پکڑنے سے منع کیا تھا۔ مگر وہ انہیں اکیلا چھوڑ کر کہیں جا چکا تھا۔ یوں بستی والوں پر پھر خوف طاری ہو گیا اور ان کے چہرے بگڑتے چلے گئے اور وہ سب کے سب بندر بن گئے سوائے الیاسف۔ اب بستی کے در و دیوار اور برج و مینار پر ہر جگہ بندر نظر آتے تھے۔ یہ صورت دیکھ کر الیاسف پر خوف

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

طاری ہوا مگر اس نے خوف پر قابو پا لیا کیونکہ وہ جان چکا تھا کہ خوف کے مارے لوگ بندر بن جاتے ہیں۔ اور قسم کھائی کہ وہ خود کو بندر بننے سے بچائے گا۔ پھر اس نے اپنے ہم جنس لوگوں سے جو اب بندر بن چکے تھے نفرت کا ارادہ کیا تو پھر اس کا چہرہ نفرت کے سبب بگڑنے لگا۔ پس فوری طور پر اس نے نفرت ترک اور خود کو بندر بننے سے بچا لیا۔

الیاسف نے پھر محبت کے دن یاد کیے جب وہ بنت الاخضر سے عشق کرتا تھا اور اس سے ملنے جاتا تھا۔ اب اس تنہائی کے عالم میں جب وہ ہی آخری آدمی بچا ہے، اسے یاد کر کے آنسو بہاتا ہے۔ مگر اچانک اسے الیعزر کی بیگم یاد آتی ہے جو رو رو کر ہلکان ہوئی تھی اور انسان کے جون میں نہ رہ سکی تھی۔ یوں وہ رونے سے گریز کرتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ عشق کرنے والے الیعزر کی بیوی اب درختوں کی ٹہنیوں پر اس کی جوئیں دیکھ رہی ہے۔ وہ یہ منظر دیکھ کر ہنستے ہوئے عالمِ حیرت میں کھو سا گیا مگر اسے خیال آیا کہ حیران ہو کر تو لوگ بندر ہوئے تھے پس اس نے اپنی حیرت کو اپنے قابو میں کیا۔ یوں اس نے ہنسنے سے، رونے سے، غصہ کرنے جیسے کاموں سے اجتناب کیا۔ چونکہ وہ تنہا تھا اس لیے اب لفظ مرنے لگے تھے اور وہ کسی سے ہم کلام نہ ہوتا تھا۔ یوں وہ کبھی خود کلام ہوتا تو کبھی خود کو داخل میں سمیٹ لیتا تھا۔

تنہائی کے اس عالم میں جس کا تصور ناممکن ہے، الیاسف نے خود کو ہر اس چیز سے بچانے کی کوشش کی ہے جس سے لوگ بندر بنتے تھے۔ اس نے اپنے داخلی وجود کے ارد گرد دیوار بنالی تاہم وہ اندر سے پتھر کی طرح سخت ہو گیا۔ پھر وہ سختی ذرا نرم ہوئی تو اسے لگا کہ اس کا وجود بدل رہا ہے۔ یوں وہ خوف میں آ گیا اور اس کا جسم سکڑنے لگا۔ اسے لگا کہ وہ بھی باقی لوگوں کی طرح بندر بن رہا ہے مگر اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کے اعضا ابھی تک ٹھیک تھے۔ الیاسف کو وہ وقت یاد آیا جب وہ سبت کے دن مچھلیاں پکڑتا تھا۔ اس نے ایک گڑھا کھود کر مچھلیاں وہاں جمع کر لیں اور اگلے دن پکڑ لی تھیں۔ وہ اب بستی سے نکل کر جنگل کا رخ کرتا ہے اور رات درختوں پر بسر کرتا ہے۔ صبح جاگا تو اس کا جسم دکھ رہا تھا۔ ایک جھیل پر پانی پیتے ہوئے اس نے اپنا عکس دیکھا تو اس کی چیخ نکل گئی اور دوڑ پڑا۔ دوڑتے دوڑتے اس کی ہیئت بھی بدل گئی اور وہ بھی بندر بن گیا۔ یوں اپنے وجود کی تلاش کا ایک سفر اپنے انجام کو پہنچتا ہے۔

صدیوں سے یہ سوالات انسان کے ذہن میں موجود ہیں کہ انسان کیا ہے؟ اس کا وجود کیا ہے؟ اس کائنات میں اس کے وجود کا بنیادی مقصد کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اور خاص طور پر جب سے انسانی سماج پیچیدہ ہوئے اور ایک صنعتی اور مشینی انسان کا ظہور اجتماعیت کے پیشِ نظر سامنے آیا ہے اور جب سے جنگوں میں انسانی جانوں کی ارزانی اور حیاتِ انسانی کی بے توقیری ہوئی ہے اور انسان کی بقا کو درپیش مسائل نے انسانی شعور کے دروازے پر دستک دی ہے تو اسے وجودی نوعیت کے ایسے کئی سوالوں کا سامنا رہتا ہے۔ حیات عامر حسینی نے فلسفہِ وجودیت کے مسائل کو یوں بتایا ہے:

"وہ مسائل جن سے لحہ بہ لحہ انسان دوچار ہوتا ہے اور جو بدیہی ہوتے ہیں جیسے دہشت، فکر، تشویش، کرب، حبس، روحانی بحران، ازدواجی تناؤ اور دوسرے ایسے مسائل، وجودیت ان ہی کو فلسفے کا بنیادی محور و میدان قرار دیتی ہے۔"(۱)

نصرت نبی نے بھی اپنے ایک ریسرچ آرٹیکل میں ان مسائل کی نشاندہی کی ہے جنہیں وجودی فلسفے میں بنیادی اہمیت حاصل ہے:

"وجودیت پسندوں کا مرکز انسانی وجود اور اس کے مسائل ہیں۔ یہ مسائل انسان کے کرب، الجھن، کشاکش، بیزاری، تنہائی، بے گانگی، خوف، دہشت، پشیمانی، پریشانی، مایوسی، محرومی، بے کسی، بے چارگی، لایعنیت اور بے مقصدیت سے تعلق رکھتے ہیں۔"(۲)

اب افسانے "آخری آدمی" پر غور کریں تو ہمیں وہ تمام مسائل اس افسانے کے کرداروں میں نظر آتے ہیں۔ ان کی شکلیں بگڑ رہی ہیں تو وہ دہشت کا شکار ہیں۔ انہیں اپنے وجود، تشخص اور پہچان کا فکر لاحق ہے۔ وہ ایک مسلسل اذیت اور کرب سے دوچار نظر آتے ہیں۔ روحانی بحران کا اس قدر شکار ہیں کہ وہ جانور کی جون یا ہیئت میں ڈھل رہے ہیں۔ ایک ایسی الجھن میں گرفتار ہیں جو سلجھنے کا نام ہی نہیں لے رہی۔ ہر لحہ ایک خوف، اذیت، کرب، اور تشویش کی ایک تلوار ان کے سروں پر لٹک رہی ہے۔ مایوسی، ناامیدی، لایعنیت اور احساسِ محرومی کے علاوہ ندامت یا پشیمانی بھی ان کرداروں کا مقدر بن چکی ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہاں اس ساری کیفیت اور کشمکش کا جو سبب بتایا گیا ہے وہ سبت کے دن مچھلیوں کا شکار کرنا ہے جس سے ایک شخص نے اس بستی والوں کو روکا تھا۔ یہاں یہ علامت انسان کی سماجی زندگی میں ماورائی یا مابعد الطبعیاتی اقدار کے احساس کی نمائندگی بھی کرتی ہے۔ اس ضمن میں افسانے سے مثال دیکھیے:

"ابن زبلون غصہ سے آپ سے باہر ہوا اور الیاب خوف سے اپنے آپ میں سکڑ تا گیا اور وہ دونوں کہ ایک مجسم غصہ اور ایک خوف کی پوٹ تھے آپس میں گتھ گئے ان کے چہرے بگڑتے چلے گئے۔ پھر ان کے اعضا بگڑے، پھر ان کی آوازیں بگڑیں کہ الفاظ آپس میں مدغم ہوتے چلے گئے اور غیر ملفوظ آوازیں بن گئے۔ پھر وہ غیر ملفوظ آوازیں وحشیانہ چیخیں بن گئیں اور پھر وہ بندر بن گئے۔"(۳)

یہاں انتظار حسین نے نہایت مہارت سے انسان کے وجود کے دونوں رخ روشن کر دیے۔ پہلا ذاتی اور دوسرا سماجی۔ ذاتی سطح پر یہ کردار غصے اور خوف کا شکار نظر آتے ہیں۔ ابن زبلون کو غصے پر قابو نہیں اور الیاب کو خوف پر۔ یوں ذاتی سطح پر کمزور کردار سماجی سطح پر بھی اسی کمزوری کے سبب بگاڑ اور انتشار کا باعث بنتے ہیں اور وہ آپس میں لڑتے ہیں جہاں انسانوں کی صدیوں سے رابطے اور اظہاریے کے لیے بنائی گئی لفظوں کی زبان بے معنی ہو جاتی ہے اور جیسے ہی لفظ معنی کھو دیتے ہیں اور لایعنیت جنم لیتی ہے انسان انسان کے مرتبے سے حیوان کے مرتبے میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا زندگی کی دونوں سطحوں پر معنویت انسانی ارتقا و بقا کے لیے از حد ضروری ہے۔ اس طرح انسان کو اپنی ذات اور سماج سے متعلق اپنے وجود کی معنویت بہر صورت جاننے کی ضرورت پیش آتی ہے۔

یوں بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان کے بنیادی وجودی مسائل دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو انسان کی ذات سے متعلق ہیں جن میں خود شناسی، خود احتسابی، وجود کی بقا، جنس اور دیگر خواہشات شامل ہیں اور دوسرے وہ جو احساس و ادراک سے مرتب ہوتے ہیں جن میں شعور، اظہار، سماج، اعمال اور دیگر ماورائی یا مابعد الطبعی حوالے شامل ہیں۔ انسان کا مکمل وجود ان دونوں طرح کی صورتوں سے ترتیب پاتا ہے۔ اگر وہ خود شناسی کے عمل سے گزر کر اپنے وجود کا اظہار ایسے آزاد پیرائے میں کرے جہاں اسے سماجی سطح پر مناسب پیمانے یا معیارات بھی دستیاب ہوں تو وہ ایک معتبر وجود کی نمائندگی کرتا ہے ورنہ وہ شئے اور وجود کے درمیان یا صرف شئے بن کر زندگی کے دن پورے کرتا ہے۔ اس طرح یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ انسان نے دنیا میں رہنا ہے کھونا نہیں ہے۔ یعنی ہر وقت برسرِ پیکار رہنا ہے۔ اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ اس کے مسائل کا حل خود شناسی اور خود احتسابی سے نکالنا ہے۔ دنیا کے حالات انسان کو مجبور کر سکتے ہیں جیسے روزی روٹی کے مسائل، لالچ، نفرت، بغض، حسد، یا ایسا کچھ اور جن سے وہ اپنا معتبر وجود کھو بیٹھتا ہے۔ جس طرح اس افسانے کے کردار لالچ میں آ کر سبت کے دن مچھلیوں کا شکار کرتے ہیں یا پھر خوف، غصے اور نفرت وغیرہ کے سبب اپنے وجود کو کھو دیتے ہیں۔ کمزور انسان دنیا کی سختیوں سے دب کر اپنے وجود کی تلاش کے امر سے دستبردار ہو سکتا ہے اس لیے وجودی مفکر نیطشے طاقت کے حصول کے لیے ہی آزادی کی تمنا کرتا ہے اور اسے انسانی وجود کی بقا کے لیے ضروری سمجھتا ہے۔ اور ایسے اعلیٰ اقدار کے نظام کی تخلیق کا پیغام دیتا ہے جس کے ذریعے انسان مکمل آزادی سے فوق البشر انسان یا نسل کو مکمل طاقتوں سے لیس کرنے کے قابل ہو سکے تاکہ وہ مشکلات کا دلیرانہ انداز میں مقابلہ کر سکیں۔ نیطشے کا خیال تھا کہ:

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

"فوق البشر عالی ظرف اور بلند حوصلہ ہو گا۔اس کی روحانی عظمت اور اس کی قوت اس کے کردار کی داخلی قوت ہو گی اور اسی عظمت سے اسے اولوالعزمی سے مکمل طور پر جیتنے کی ہمت ہے۔وہ ایک عظیم المیہ کے ہیرو کی حیثیت سے جئے گا اور آج کل کی تمام کمزوریوں سے فائق ہو گا۔"(۴)

نیطشے کے اس تصور کی روشنی میں اگر آخری آدمی کے ہیرو الیاسف کی کوشش کو دیکھا جائے تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس نے ہر ممکن کوشش کی کہ وہ اپنے وجود کو برقرار رکھ سکے اور ان تمام منفی رویوں پر قابو پالے جن کے سبب اس کے آس پاس کے لوگ انسانی سے حیوانی سطح تک تنزل کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔ مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے پاس کردار کی داخلی قوت مفقود ہے جو در حقیقت انسان کو خود اعتمادی عطا کرتی ہے جس سے انسان اپنے وجود کی حقیقت کو پا کر دنیا کی تمام مشکلات کا المیاتی ہی سہی مقابلہ کر لیتا ہے اور ایک معتبر وجود کے ساتھ بقائے انسانی کے لیے ایک محرک بن جاتا ہے۔ کئی کوششوں کے باوجود الیاسف کا خود کو انسانی وجود پر باقی نہ رکھ سکنے کا سبب معتبر وجود نہ رکھنا ہے۔اس سلسلے میں مثال دیکھیے:

"الیاسف نے چہار سمت نظر دوڑائی اور سوچا کہ میں اکیلا آدمی ہوں۔اس خیال سے وہ ایسا ڈرا کہ اس کا خون جمنے لگا مگر۔۔۔الیاسف نے اپنے خوف پر قابو پالیا۔اور عزم اس نے باندھا خدا کی قسم آدمی کی جون میں پیدا ہوا ہوں اور آدمی کی جون میں مروں گا۔۔۔۔۔اس نے کہا کے اے الیاسف نفرت مت کر کہ نفرت سے آدمی کی جون بدل جاتی ہے اور الیاسف نے نفرت سے کنارہ کیا۔۔۔الیاسف نے ہنسی سے کنارہ کیا۔الیاسف محبت اور نفرت سے، غصہ اور ہمدردی سے، رونے اور ہنسنے سے، ہر کیفیت سے گزر گیا۔۔(اس شخص نے سب بستی والوں سے کہا تھا)۔۔۔سمندر تمھارے دستِ ہوس سے پناہ مانگتا ہے اور سبت کے دن مچھلیاں پکڑنے سے باز رہو۔۔۔اور الیاسف نے کہ عقل کا پتلا تھا سمندر سے فاصلہ پر ایک گڑھا کھودا اور نالی کھود کر اسے سمندر سے ملایا اور سبت کے دن مچھلیاں سطحِ آب پر آئیں تو تیرتی ہوئی نالی کی راہ گڑھے میں نکل گئیں اور سبت کے دوسرے دن الیاسف نے اس گڑھے سے بہت سی مچھلیاں پکڑیں۔"(۵)

اس مثال سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ الیاسف نے لالچ کو عقل کے ذریعے پورا کرنے کی کوشش کے لیے مکر اور حیلہ بہانہ کیا ہے اور اپنی دی ہوئی قسم کو توڑا ہے اور کیے گئے عہد کو پسِ پشت ڈالا ہے جس سے اس کے داخلی کردار کی حقیقت پر ضرب پڑی ہے اور اسی وجہ سے یہ کردار بھی اپنے وجود کی حقیقت تک رسائی نہیں کر پایا اور نامراد ٹھہرا ہے۔وہ تمام کوششیں جو اس نے اپنے وجود کو پانے یا برقرار رکھنے کے لیے کی ہیں ان میں خوف، غصہ، نفرت، محبت وغیرہ سب ایسی چیزیں ہیں جن پر قابو پانے کے لیے اس کے ذہن نے اسے دلیلیں مہیا کی ہیں، کہیں اس کے تجربات نے اس کی مدد کی ہے کہ فلاں شخص اس عمل سے بندر بن گیا تھا سو اس نے اس کام سے اجتناب کیا ہے مگر یہ کردار تب بے بس اور داخلی خوف میں مبتلا ہوتا ہے جب ایک جھیل پر پانی پیتے ہوئے اسے اپنا عکس نظر آتا ہے۔یہاں انتظار حسین نے پانی کو آئینے کے مماثل قرار دیا ہے جو انسان کو خود کلامی کی دعوت دیتا ہے۔یہ کردار بھی خود سے نظریں نہ ملا سکا اور اسے وہ مکر یاد آیا جو اس نے عہد کرنے کے بعد عقلی بنیاد پر لالچ کو پورا کرنے کے لیے کیا تھا۔پس یوں یہ کردار ایک داخلی خوف میں مبتلا ہوتا ہے اور اس کا نامعتبر داخلی کردار اسے انسانی وجود کے منصب سے نیچے اتار دیتا ہے۔

وجودی فلاسفر کرکیگارڈ انسانی وجود کو ایک چیز کی طرح نہیں سمجھتا ہے جو محض بنی بنائی صورت میں ہو اور اس میں خود شناسی یا خود احتسابی کی صورت جنم نہ لے۔بلکہ وہ ایک جیتا جاگتا وجود ہے جو مجبورِ محض نہیں بلکہ اپنے کرب، دکھ، الجھن، انتشار کو نہ صرف محسوس کر سکتا ہے بلکہ ان کے اسباب، ان کے اثرات اور ان سے نجات پر خود سے اور سماج سے سراپا سوال رہتا ہے۔اس لیے ان کے مطابق سچائی داخلی ہوتی ہے۔یا وجود کے حقیقی اظہار کا نام سچائی ہے۔اس طرح وجود کی حقیقت کا احساس اور پھر اس کا اظہار یعنی آزادی سے بنیادی سچائیاں بنتی ہیں۔ان کا تعلق انسان کے مکمل وجود سے ہوتا ہے۔جسے معتبر وجود کا نام دیا جا سکتا ہے۔۔اس ضمن میں سارتر کا بھی یہی خیال تھا:

"معتبر وجود کے لیے ضروری ہے کہ آدمی بڑی صفائی اور سچائی کے ساتھ مسائل کو دیکھے، سمجھے، ان کا مقابلہ کرے اور ان سے فرار اختیار نہ کرے۔اس کا وجود اس کے معتبر طرزِ عمل اور مسائل سے مقابلہ آرائی میں پوشیدہ ہے۔معتبر وجود فیصلہ کرنے کی قوت میں مضمر ہے۔"(۶)

انتظار حسین نے اگرچہ اس افسانے میں ایک ایک کردار کی داخلی کیفیات، کرب اور تشویش وغیرہ کو مہارت سے پیش کیا ہے تاہم اس افسانے میں جو المیہ بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ لالچ یا اس جیسے کسی منفی رجحان میں آ کر ایک معاشرے کے تمام کے تمام لوگ انسانی وجود کی حقیقت سے بے بہرہ ہو کر انسانی وجود کی شناخت کے بحران کا سامنا کر سکتے ہیں۔یہ ایک ایسا المیہ ہے جس کے سبب نسلِ انسانی کی بقا اور نوعِ انسانی کا ارتقا خطرے سے دوچار ہے اور یہ ایک ایسا خوف ہے جس کا سامنا انسانی نسل نے ملکر کرنا ہے۔یہ تب ہی ممکن ہے کہ جب انسان اپنے داخل سے مکالمہ کریں، اپنے وجود کا شعور حاصل کریں۔ اس کائنات میں حیاتِ انسانی کا اعلیٰ ترین مقصد فراہم کریں۔اپنی قوتوں کو مجتمع کر کے زندگی کی تلخیوں اور دشواریوں کا مقابلہ کریں اور ایک معتبر وجود کے ساتھ زندہ رہنے کا سلیقہ سیکھیں تاکہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر زندگی کو پر مسرت بنا سکیں۔

عالمی جنگوں اور ایٹمی طاقتوں کی روز بروز بڑھتی کشمکش، سرمایہ داری اور اشتراکیت کے نظاموں کے نفاذ کے درمیان پستی انسانیت اور معاشرتی اقدار کے ڈھانچوں کی شکستگی سے دورِ حاضر کا انسان ایک مہیب خوف میں مبتلا ہے جیسے مستقبل کا خوف، انجانے وقت کا خوف، یا بقا کا خوف، جسے وجودی فلاسفر دہشت کہتے ہیں۔اس دہشت کا سامنا کرنے کے لیے تمام وجودی طاقتوں کی شناخت کرنا اور پھر انہیں مجتمع کر کے اپنا ایک معتبر وجود تشکیل کرنا ہر فرد کا بحیثیت انسان ایک منصبی فریضہ بن جاتا ہے جو نہ صرف انسان کے لایعنی موجودگی کے مسئلے کا جواب ہے بلکہ اسے مسلسل متحرک اور فعال رکھتا ہے۔وہ آزادی سے انتخاب کر سکتا ہے۔جو اعمال وہ منتخب کرے گا ان کے نتائج کا ذمہ دار بھی بنے گا اور پھر ان کے اچھے نتائج کے انعامات سے لطف اندوز ہو سکے گا یا پھر تلخ نتائج کا سامنا کرنے کے لیے تیار بھی رہے گا۔یہی آزادی اسے حیاتِ انسان کے اعلیٰ مقاصد کی تخلیق اور ان کے حصول میں معاون ثابت ہو گی۔

نتیجے کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ انتظار حسین نے "آخری آدمی" کے ذریعے انفرادی اور اجتماعی سطح پر انسانی وجود کی شناخت کے بحران کے مسئلے کو بیان کیا ہے۔یعنی جہاں ایک طرف نفرت، محبت، لالچ اور غصے جیسی صفات انسان کی ذات کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچاتی ہیں تو وہاں لفظوں کی موت، لایعنی حیات، بے حسی اور بد عہدی اجتماعی سطح پر انسان کو محض ایک جانور کے پم پلہ کر دیتی ہیں۔ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان کو اب نسلِ انسانی کی بقا و ارتقا کے لیے بہر صورت اپنے داخل سے مکالمہ کرے۔اپنے وجود کی حقیقت اور سچائی سے شناسا ہو۔مقصدِ حیات کا تعین کرے اور قدروں کے ایسے نظام کو از سرِ نو مرتب کرے جو انسان کی انفرادی آزادی کو بہر حال محفوظ کرتے ہوئے نوعِ انسانی کی بقا و ارتقا کا معاون بن جائے۔

**حوالہ جات**

۱۔حیات عامر حسینی، وجودیت، بتول پبلی کیشنز، سری نگر۔۱۹۹۱، ص:۲۱

Vol.5 No.2 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

۲۔ نصرت نبی، جدید اردو افسانے میں جدیدیت کے عناصر، مشمولہ اردو ریسرچ جرنل، شمارہ ۱۳، سالِ اشاعت ۲۰۱۸، ص:۳
۳۔ انتظار حسین، آخری آدمی، ایجوکیشنل، پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۹۳، ص:۲۲
۴۔ حیات عامر حسینی، وجودیت، بتول پبلی کیشنز، ص:۱۵۰
۵۔ انتظار حسین، آخری آدمی، ایجوکیشنل، پبلشنگ ہاؤس، ص:۲۶۔۲۷
۶۔ حیات عامر حسینی، وجودیت، بتول پبلی کیشنز، ص:۱۶۵